فکر و نظر ـــــ اسلام آباد　　　جلد: ۴۷ شمارہ: ۳

اقبال اور جدید و قدیم کی کشمکش

بعض اعتراضات کا جائزہ

پروفیسر ایوب صابر ☆

کانٹ ویل سمتھ کی کتاب (Modern Islam in India) کا چوتھا باب "رجعت پسند اقبال" (Iqbal the Reachonary) کے عنوان سے قلمبند کیا گیا ہے۔ سمتھ نے لکھا ہے کہ اصول پیش کرتے وقت اقبال بہت دلیر، انتہائی مدبر اور اعلیٰ و افضل ہوتے ہیں لیکن خاص معاملات میں ڈگمگا جاتے ہیں۔ اپنے ارتقائی فلسفے کے باوجود اسلام کی خاتمیت پر یقین رکھتے ہیں اور قادیانیوں کی مذمت کرتے ہیں۔ کھانے پینے کی رسوم اور عورت کے ضمن میں جدید طریقوں سے ہچکچاتے ہیں اور قدامت پسندی (Conservatism) کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اجتہاد پر زور دیتے ہیں لیکن زمانہ انحطاط میں اجتہاد پر تقلید کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان تجدد پسندوں (Modernist) کی مذمت کرتے ہیں جو اسلامی شریعت پر کاربند نہیں ہیں اور ان کا رخ مسلمہ مذہبی شعائر (Orthopraxy) کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ استحکامِ خودی کا پہلا مرحلہ "اطاعت" بتاتے ہیں جس کا مطلب ہے اسلام کے روایتی ضابطوں کی پابندی، چنانچہ کہا ہے: شکوہ سنجِ سختیِ آئیں مشو/ از حدودِ مصطفی بیروں مرو[1]۔ دوسرا مرحلہ "ضبطِ نفس" کا ہے جسے حاصل کرنے کے لیے اقبال اسلام کے روایتی پانچ ارکان کی تلقین کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ اقبال اسلاف کی پیروی کو ملی استحکام کا باعث قرار دیتے ہیں: راہِ آبا رو کہ ایں جمعیت است / معنیِ تقلید ضبطِ ملت است۔[2] اس وجہ سے ماضی کو یاد کرتے ہوئے تھکتے نہیں:

☆ گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد۔

ہاں یہ سچ ہے، چشم بر عہدِ کہن رہتا ہوں میں
اہلِ محفل سے پرانی داستاں کہتا ہوں میں (۳)

سمتھ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اقبال کو اجتہاد کا تذکرہ اچھا لگتا ہے، اجتہاد پر عمل نہیں۔ اس طرح اقبال لبرل قدامت پسندوں کے اس خوف میں شریک ہو جاتے ہیں کہ اسلام ایک آئین، ایک مثالی نمونے کی حیثیت سے ناپید نہ ہو جائے۔ (۴) گذشتہ اوراق میں یہ ذکر آ چکا ہے کہ سمتھ کے نزدیک اقبال ایک ایسے لبرل ہیں جو لبرل ازم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ (۵) اقبال پر مستشرقین کا خاص اعتراض عورت کے ضمن میں ہے۔ ایچ اے آر گب نے کانٹ ویل سمتھ کا ایک اقتباس نقل کر کے اقبال کی جدیدیت سے انکار کیا ہے۔ منقولہ اقتباس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

"اقبال کبھی سمجھے نہیں اور ہمیشہ ان کی مخالفت کی جو باور کرتے ہیں کہ اس نئی دلیر دنیا میں عورت بھی حصہ لینے کی مجاز ہے۔ اقبال عورت کو پاک اور محکوم رکھنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے سرگرمی، آزادی اور نیابت الٰہی کی حمایت نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں عورت کو ایسا ہی رہنا چاہیئے۔ جیسا وہ اسلام میں ہمیشہ رہی ہے۔ مقید، مرد کے آگے چپ چاپ اور رضامند خود کچھ نہ حاصل کر سکنے والی اور مقاصد کا ذریعہ بننے والی۔ اقبال نے اپنی بیویوں کو پردے میں رکھا اور دنیا کو مثالی عورت کا یہ تصور دیا:

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ　　مادراں را اسوہ کامل بتول
نوری و ہم آتشی فرمانبرش　　گم رضائے در رضائے شوہرش
آں ادب پروردہ صبر و رضا　　آسیا گرداں و لب قرآں سراء (۶)

تاہم آخر کار اقبال نے تسلیم کر لیا ہوگا کہ عورت کے بارے میں ان کا موقف غلط ہے۔ ایک مختصر نظم "عورت" میں اس طرف اشارہ ہے:

میں بھی مظلومیِ نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود!"(۷)

یہ اقتباس پیش کر کے مجب نے لکھا ہے کہ اقبال کا یہ اعترافِ ناکامی ان کی جملہ جدیدیت کا نچوڑ ہے۔ اس سے کچھ پہلے الزام عائد کیا ہے کہ اقبال نے قرآن کی رو سے مرد و زن کی مساوات کا دعویٰ کرتے ہوئے "الرجال قوا مون علی النسآء" سے چشم پوشی کی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مرد عورت پر فوقیت رکھتا ہے۔ گیوم نے لکھا ہے کہ "جدید ضرورتوں کے تحت تاویلِ قرآن کا موقع آتا ہے تو اقبال اپنی فکر کے ارد گرد باڑ لگا دیتے ہیں"(۸)۔

برصغیر کے اشتراکی خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان اقبال پر ماضی پرستی اور رجعت پسندی کے اعتراض کو دہراتے رہے ہیں۔ یہ سلسلہ حکمتِ عملی کی تبدیلی تک زور شور سے جاری رہا۔ سبطِ حسن نے لکھا کہ "اقبال ماضی کا پجاری ہے۔۔۔ وہ بجھی ہوئی شمعوں کا پروانہ ہے، اجڑی ہوئی محفلوں کو سجانا چاہتا ہے"(۹)۔ احمد علی نے اقبال کی شاعری کو رجعت پسندانہ کہا۔(۱۰) مجنوں کو یہ الجھن پیش آئی کہ اقبال کو ترقی پسند کہا جائے یا قدامت پرست۔(۱۱) سردار جعفری نے رائے ظاہر کی کہ "جب انقلاب کے بعد نئے نظام کا سوال آتا ہے تو اقبال قدامت پرستی کے شکار ہو جاتے ہیں"۔(۱۲) جعفری کے بقول "یہ درویشی اور قلندری، شاہین اور انفرادیت پرستی، جدید مذہب اور رجائیت اور تصوف ہمارے کام کی چیزیں نہیں ہیں کیونکہ ان سے آج عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا"۔(۱۳) احتشام حسین نے لکھا کہ "اقبال تصوریت کے چکر میں پھنس کر کسی کسی موقع پر آزادی افکار سے گھبرا جاتے ہیں اور اسے شیطان کی ایجاد کہہ دیتے ہیں"۔(۱۴) جوش ملیح آبادی نے "آزادی افکار" کی بجائے "افکار کو جانتے ہیں کارِ ابلیس" کا الزام عائد کر دیا۔(۱۵) ظہیر صدیقی نے لکھا ہے:

"ایک طرف تو وہ ہر مسئلے کو ایک نہایت ترقی پسند اور سائنٹیفک نکتہ نظر سے دیکھتا ہے جس کا مقصد ہے ہر اس قوت سے انسان کو آزاد کرایا جائے

جو اسے توہم اور تشدد کے دلدل سے پھنسائے رکھنا چاہتی ہے۔ دوسری طرف وہ اپنا موروثی نظریہ فکر بھی پوری طرح چھوڑنے کو تیار نہیں جس کی جڑیں بعید اور دھندلے ماضی میں ہیں"۔(۱۶)

ہندو اشتراکیوں کے اعتراضات کو سمجھنے کے لیے راجندر ناتھ شیرا اور کنور کرشن بالی کے حوالے کافی ہیں۔ شیرا نے سوال اٹھایا ہے کہ "آخر یہ حجاز کی طرف مراجعت کرنے والا ارتقاء کس قسم کا ہے؟" اور جواب یہ دیا ہے کہ "حیاتِ جاوید کے جامہ کو بے وجہ چاک کر کے اس پر ماضی کے بوسیدہ پیوند لگانا بھی دراصل اسی مذہب پسندی کی الجھن کا نتیجہ ہے"۔(۱۷) شیرا نے لکھا ہے کہ "اقبال کے ساتھ دقت یہ ہے کہ وہ فروعی باتوں میں تو تبدیلی کے لیے تیار، بلکہ مصر ہیں لیکن اصولی باتوں میں کسی تبدیلی کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ بڑی سے بڑی بات وہ یہ کر سکتے ہیں کہ قدیم کو جدید سے ہم آہنگ کرنے کے لیے پرانی شراب کو نئی بوتلوں میں بھر کر ان پر جدت اور ترقی کے لیبل چسپاں کر دیں"۔(۱۸) ڈاکٹر بالی رقمطراز ہیں:

"سیاسی لحاظ سے وہ ایک پرانے انداز کے نظامِ حکومت کے حامی ہو گئے تھے۔ ان کی پسند کا وہ نظام دینی نظامِ حکومت تھا اور خصوصاً وہ بھی دینِ اسلام کی اساس پر مبنی نظامِ حکومت جسے اسلامی اصلاح میں نظامِ خلافت کہا جاتا ہے۔۔۔ اقبال نے دنیا اور اہل اسلام کے لیے اس طرح کے فرسودہ مذہبی نوعیت کے نظامِ حکومت کی تائید کر کے کوئی نیک کام نہیں کیا۔۔۔ ہم مذہب لوگوں سے خاص اور زیادہ ہمدردی رجعت پسندی کی حامل ہوتی ہے۔ اقبال بھی اس رجعت پسندی کا خوب خوب شکار ہوئے"۔(۱۹)

کنور کرشن بالی نے متعدد دوسرے معترضین کی طرح عورت کے حوالے سے بھی اقبال کو رجعت پسند قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ جیسے متوازن رویے کے ہندو دانشور نے

بھی " علامہ اقبال ، ان کا ورثہ اور ان کی کوتاہیاں" میں عورت کے حوالے سے اقبال پر قدامت پسندی کی مہر ثبت کی ہے۔ حد یہ ہے کہ میاں محمد شریف جیسے بظاہر بالغ نظر مسلمان صاحب علم نے ڈاکٹر سنہا کی کتاب پر تنقید کے ضمن میں لکھا ہے " یہ صحیح ہے کہ عورت کے بارے میں اقبال کا اندازِ فکر کسی حد تک قدامت پسندانہ ہے اور یہ غالباً ان کی فکر کا انتہائی کمزور پہلو ہے۔ انہوں نے یقیناً اس مسئلے پر کماحقہ غور نہیں کیا ، عورتوں کے بارے میں اقبال کو بس یہی تردد رہا کہ انہیں مغربی طرز زندگی کی برائیوں سے بچایا جائے جو آہستہ آہستہ ان کی زندگی میں نفوس کر رہی تھیں"۔[۲۰]

اقبال اسلام کی خاتمیت پر یقین رکھتے ہیں۔ ان تجدد پسندوں کی مذمت کرتے ہیں جو اسلامی شریعت پر کاربند نہیں ہیں۔ " از حدودِ مصطفےٰ بیروں مرو"۔۔۔ اور اسلام کے بنیادی پانچ ارکان کی تلقین کرتے ہیں۔ اسلام کو ایک آئین اور مثالی نمونے کی حیثیت سے قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک مثالی عورت کا تصور اسوہ بتول ؓ ہے۔ جدید ضرورتوں کے تحت قرآن سے انحراف نہیں کرتے۔ اور نظامِ خلافت کے حامی ہیں۔ یہ ہے وہ چارج شیٹ جو اقبال کو قدامت پرست اور رجعت پسند ثابت کرنے کے لیے اقبال کے خلاف عائد کی گئی اس سے وہ معترضینِ اقبال عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ جو فکرِ اقبال کو مستعار قرار دینے پر مصر ہیں۔ اور وہ مسلمان قدامت پرست بھی جو فکرِ اقبال کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اقبال پر غیر اسلامی رجحانات کا الزام عائد کرتے ہیں۔

رجعت پسند، ترقی پسند کی ضد ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں اشتراکیوں کی ہیں۔" ترقی پسند" (progressive) وہ ہوتا ہے جو اشتراکی خطوط پر ترقی کا حامی ہو۔ جو اس کے برعکس ہو وہ "رجعت پسند" (reactionary) ہے۔[۲۱] اشتراکیوں کی یہ اصطلاحیں اقبال کے ضمن میں بے کار ہیں۔ یہی حال " قدامت پسند" (conservative) اور " تجدد پسند" یا " جدید" (modern) کا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال سمیت بعض اقبال شناس اقبال کو " لبرل" ثابت کرتے ہیں۔[۲۲] جبکہ سمتھ کے اس موقف کو بھی غلط کہنا صحیح نہیں کہ اقبال لبرل ازم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ دراصل یہ اصطلاح متعین مفہوم کی حامل نہیں ہے۔ لبرل ازم کا جو

مفہوم سمتھ کے ذہن میں ہے (انیسویں صدی کے اواخر سے جنگِ عظیم اول تک انگلستان کے بورژوا متوسط طبقے کی اقتدار اور اس طبقے کے مقاصد) (۲۳) اس کی رو سے اقبال پر "لبرل" کا لیبل پوری طرح چسپاں نہیں ہوتا۔ ان معنوں میں لبرل کی ضد راسخ العقیدہ (orthodox) یا بنیاد پرست (fundamentalist) ہے۔ اقبال یقیناً راسخ العقیدہ تھے البتہ غیر استدلالی اور ادعائی (dogmatic) نہیں تھے اور اسلام کو ڈاگما نہیں مانتے تھے۔ اقبال کے لیے لبرل اور بنیاد پرست دونوں اصطلاحیں استعمال ہوئی ہیں۔ کہیں موافقانہ، کہیں مخالفانہ۔ خود اقبال نے لبرل مسلمانوں کی حمایت کی ہے اور انہیں خبردار بھی کیا ہے۔(۲۴)

لبرل ازم کا ایک مستقل مفہوم "حریت پسندی" ہے۔ اس مفہوم کی رو سے اسلام اور اقبال دونوں لبرل ہیں۔ اقبال پر معترضین کا یہ الزام درست ہے کہ وہ اسلام کی بنیادوں کو قائم رکھنے کی تلقین کرتے ہیں اور صرف فروعات میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ زیادہ صائب رائے یہ ہے کہ اقبال اسلام کے جدید مفسر ہیں۔(۲۵) "بنیاد پرستی" اہلِ مغرب کی اصطلاح ہے اور خاص مقاصد کے تحت گھڑی گئی ہے۔ مغربی استعمار سیاسی اسلام کے خلاف ہے۔ ان کے نزدیک اسلام کے سیاسی نظام کی حامی بنیاد پرستی ہے۔ اقبال ان معنوں میں یقیناً بنیاد پرست ہیں کہ وہ اسلام کو اسلام کے سیاسی نظام سے جدا نہیں کرتے البتہ اقبال تھیاکریسی کے حق میں نہیں تھے۔ اقبال "جدید اسلام" کو زیرِ بحث لاتے ہیں لیکن اسلام کو ماضی، حال اور مستقبل پر محیط سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس سمتھ اسلام کو (اور اقبال کو بھی) غلط طور پر قدیم اور جدید میں تقسیم کرتا ہے۔ اس کے نزدیک شجاعت، عظمت، قناعت، اور صدقہ اصلی اور قدیم اسلام کی خصوصیات ہیں۔ جبکہ بدلے ہوئے حالات میں اسلام اپنا کردار اسی صورت میں ادا کر سکتا ہے جب اسے اس طرح تبدیل کیا جائے کہ وہ مواقع تلاش کرنے والے انسان کو مواقع شناسی اور متحرک پہل کے قابل بنائے اور اپنے معاشرے کے لوگوں کے ساتھ اس کے جذباتِ محبت کو استوار کرے۔ ان دو امور کو سمتھ نے اسلام کی نئی وضع قرار دیا ہے اور اسلام کی اس نئی تشکیل کے ضمن میں اقبال کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔(۲۶)

حقیقت یہ ہے کہ شجاعت، عظمت، قناعت، صدقہ ، متحرک پہل اور اسلامی اخوت سبھی خصوصیات اصلی اسلام کی تعلیمات ہیں۔ اقبال ان سب کے علمبردار ہیں۔ مسلمان عہدِ صحابہ ہی میں شرق و غرب میں پھیل گئے تھے۔ اسلامی معاشرہ تب جامد نہیں تھا۔ جمود اور ٹھہراؤ، جاگیرداری ، پاپائیت اور رہبانی تصوف کا نتیجہ ہے۔ اقبال نے ان تینوں کی پرزور مخالفت کی ہے۔ مواقع سے سمتھ کی مراد کمائی کے مواقع ہیں۔ جدید مغرب کی نظر حصولِ زر اور عیش دوام پر ہے۔ اسلام نیز اقبال رزقِ حلال کی تگ و دو کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور متحرک و قوت آفرین(dynamic) مسلم معاشرہ دولتِ دنیا سے پوری طرح بہرہ ور تھا۔ تاہم اس کی نظر ترقی سے زیادہ کامیابی پر تھی۔ مسلمان معاشرے ترقی یا جدید کاری اور مواقع کی تلاش کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ عالمی تناظر میں ان کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ تاہم اقبال کے نزدیک مسلمانوں کی حقیقی کامیابی کا راز اپنے نصب العین سے محبت پر ہے۔ یہی محبت جہد و عمل کا محرک بنتی ہے۔ نصب العین کی محبت کے مقابلے پر نصابِ زر و سیم کی کوئی اہمیت نہیں :

مردِ درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصابِ زر و سیم!(۲۷)

سمتھ کی نظر پورے کلامِ اقبال پر نہیں ہے۔ اس نے یہ شعر: ہاں یہ سچ ہے چشم بر عہدِ کہن رہتا ہوں میں / اہلِ محفل سے پرانی داستان کہتا ہوں میں۔ بانگِ درا سے نہیں بلکہ عبداللہ انور بیگ کی کتاب سے نقل کیا ہے۔(۲۸) بانگ درا میں اس سے متصل دو اشعار اور بھی ہیں جنہیں پیشِ نظر رکھے بغیر اقبال کے بارے میں صرف غلط رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ وہ اشعار حسب ذیل ہیں :

۔ یادِ عہد رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے — میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے
سامنے رکھتا ہوں اس دورِ نشاط افزا کو میں — دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

اقبال ماضی کے آئینے میں مستقبل کو دیکھتے ہیں اور ان کی نظر ماضی، حال اور مستقبل تینوں پر ہے۔ اقبال کا یہ شعر بکثرت نقل ہوا ہے :

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصہ جدید و قدیم (۲۹)

مستشرقین سمیت اقبال کو قدامت پرست یا ماضی پرست کہنے والے اسی کم نظری کا شکار ہوئے ہیں۔

اقبال تغیر و ثبات اور جدید و قدیم کے ضمن میں متوازن نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ جمود کی بجائے حرکت کے لیے قرآن کی تائید کا ذکر کر کے اقبال لکھتے ہیں کہ " البتہ ہمیں نہیں بھولنا چاہیئے، وہ یہ کہ زندگی محض تغیر ہی نہیں اس میں حفظ و ثبات کا ایک عنصر بھی موجود ہے۔۔۔ زندگی چونکہ ماضی کا بوجھ اٹھائے آگے بڑھتی ہے اس لیے ہمیں چاہیئے جماعت میں تغیر و تبدل کا جو نقشہ ہم نے قائم کیا ہے، اس میں قدامت پسندانہ قوتوں کی قدر و قیمت اور وظائف فراموش نہ کریں۔ تعلیماتِ قرآنی کی یہی وہ جامعیت ہے جس کا لحاظ رکھتے ہوئے جدید عقلیت کو اپنے ادارات کا جائزہ لینا ہوگا"۔(۳۰)

سائنس کی فراہم کردہ ترقیات و سہولیات سے دنیا مستفید و مانوس ہو رہی ہے۔ سائنس نے مغرب کو قوت دی ہے۔ علم و فن کے کرشمے جدید مغربی تہذیب کا درخشاں پہلو ہیں۔ سرسید نے علم و فن کے ان حاصلات کے ساتھ مغربی تہذیب کو بحیثیت مجموعی قابل تقلید سمجھا۔ ردِ عمل میں ٹائپ کے حرف اور پانی کے پائپ سے بھی بیزاری ظاہر کی گئی۔(۳۱)

پہلے باب میں اقبال پر قدیمیوں اور جدیدیوں کے اعتراضات کے ساتھ شیخ محمد اکرام کی یہ رائے بھی درج کی گئی ہے کہ "اگر قدیم کو نظر انداز کیا جائے تو ماضی کا رشتہ جس سے قومی شیرازہ بندھتا ہے ٹوٹ جائے۔۔۔ اسی طرح اگر جدید سے بے توجہی برتی جائے تو مستقبل کی ترقی اور نشوونما کا راستہ بند ہو جائے"۔(۳۲) شیخ محمد اکرام کا یہ تجزیہ بھی درست ہے کہ " اقبال ہمارے چند بااثر بزرگوں کی طرح قدامت پرست نہیں وہ مغرب کی کورانہ تقلید کا مخالف ہے لیکن اچھی چیزیں اخذ کرنے میں کوئی نقص نہیں سمجھتا، بلکہ حالاتِ زمانہ کے مطابق اسے ضروری سمجھتا ہے"۔(۳۳) کانٹ ویل سمتھ کی یہ رائے بھی درست ہے کہ "اقبال

نے یورپی زندگی کے بعض پہلوؤں میں بہت کچھ قابل قدر دیکھا لیکن وہ کامل نمونہ بھی نہ بن سکتی تھی۔ وہ اتنی اچھی نہیں تھی کہ اقبال اسے معیار بنا لیتے"۔(۳۴)

اگر پیروی مغرب (westernization) سے جدید کی پیروی (modernization) کو الگ کر کے دیکھا جائے تو اقبال کی حیثیت متعین کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ ہمارا معاشرہ شاہ ولی اللہ اور علامہ اقبال کی راہ نما فکر کے باوجود ابھی تک افراط و تفریط کا شکار ہے۔ ایک طرف جامد ملائیت نیز فرقہ پرستی کا زور ہے اور دوسری طرف یہ دعوے ہیں کہ اقبال کا یہ موقف احساس کمتری کا مظہر ہے کہ سائنسی علوم کی طرف رجوع کرنا مسلمانوں کے لیے اپنے اصل کی طرف لوٹنا ہے۔ پروفیسر قرار حسین لکھتے ہیں کہ ہم جسے مغربی تہذیب کہتے ہیں یہ عملاً عالمی تہذیب ہے۔ ہم خود بھی مغربی تہذیب کا حصہ ہیں۔ اس کا کائناتی نظریہ (word view) اور زندگی کی قدروں کے متعلق اس کا نقطہ نظر سائنس اور ٹیکنالوجی سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات نہیں ہو سکتی کہ سائنس کو تو لے لو اور اپنے مذہب کی روایت اور اقدار کو بھی جوں کا توں بر قرار رکھو۔ ان دو باتوں کا میل نہیں ہو سکتا۔(۳۵) اقبال کے نزدیک سائنسی علوم سمیت مغربی تہذیب کے تمام عمدہ اصولوں کا سرچشمہ اسلام ہے، لہٰذا اسلام اور سائنسی علوم کی مغائرت کا سوال بے معنی ہے۔ اقبال کے الفاظ ہیں:

> "میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام مغربی تہذیب کے تمام عمدہ اصولوں کا سرچشمہ ہے۔۔۔ یورپ میں سائنس کا چرچا مسلمانوں ہی کی یونیورسٹیوں سے ہوا تھا۔۔۔ کسی یورپین کا یہ کہنا کہ اسلام اور علوم یکجا نہیں ہو سکتے۔ سراسر ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اور مجھے تعجب ہے کہ علوم اسلام اور تاریخ اسلام موجود ہونے کے باوجود ایک شخص کیونکر کہہ سکتا ہے کہ علوم اور اسلام ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے"۔(۳۶)

آل احمد سرور نے جدید کو اپنانے کے لیے "جدید کاری" اور پیروی مغرب کے لیے "مغرب کاری" کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ اقبال کے زیر اثر ان کا یہ موقف ہے کہ جدید کاری کے عمل کے دوران مغرب کاری کے مضر اثرات سے بچا جا سکتا ہے۔"ترقی" سے

پیدا ہونے والے مسائل کے تناظر میں لکھتے ہیں :

"جدید کاری کو چونکہ مغرب کے راستے پر چلنے کا دوسرا نام مان لیا گیا ہے اس لئے مغرب کے ان مسائل سے اب مشرق بھی دوچار ہے۔ عقلی اور سائنسی نقطہ نظر میں اتنی رعونت آگئی ہے کہ وہ اپنے حدود کو بھلا بیٹھا ہے۔ مادی خوشحالی اور صارفیت کے فلسفے نے بدن کو بیدار اور روح کو خوابیدہ کر دیا ہے۔ انسان کی مشین پر حکومت نہیں ہے۔ مشین حاکم ہو گئی ہے۔ جمہوری ادارے جمہور کی آواز نہیں رہے، حکومت یا سرمائے کے ہاتھوں کھلونے بن گئے ہیں۔ فرد کی آزادی کی لے اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ ہر سماجی اور اخلاقی پابندی سے آزاد ہونا چاہتا ہے۔ طاقت کی پرستش نے بے رحمی اور سخت دلی پیدا کی ہے۔ عورت کی بے لگام آزادی نے اسے شتر بے مہار بنا دیا ہے۔۔۔ تعلیم نے مہارت پر زور دیا ہے سیرت سازی پر توجہ نہیں کی۔ اس نے علم دیا بصیرت نہیں دی۔ ہنر دیا نظر نہیں پیدا کی۔۔۔جدیدت سے تو مفر نہیں لیکن جدید کاری کے عمل کو مغرب کے نقشِ قدم پر آنکھ بند کر کے چلنے سے روکا جا سکتا ہے"۔(۳۷)

اقبال کے اس خیال سے اختلاف کرنا مشکل ہے کہ :آدم کو ثبات کی طلب ہے / دستورِ حیات کی طلب ہے۔(۳۸) اقبال اسلامی دستورِ حیات کے نقیب اور مفسر ہیں اور اصل اسلام کا انکشاف انہیں عہدِ زوال کی قدامت سے وابستہ نہیں کرتا بلکہ تعمیر نو کا نشان بناتا ہے جس کا تعلق آج اور آنے والے کل سے ہے۔ اقبال عورت سمیت معاشرے کے غصب شدہ حقوق کے لئے شمشیر بدست ہیں۔وہ جاگیر داری کے بجائے حریّت، مساوات اور اخوت کے حامی ہیں۔اقبال سنگھ نے لکھا ہے کہ "اقبال نے مسلم ذہن کے جاگیردارانہ دور سے جدید دور تک عبور کی رفتار کو تیز کیا۔ شاعر اور پیامبر دونوں حیثیتوں سے۔وہ کل اور آج کے درمیان خلیج پر پل بناتا ہے اور اس خلیج پر پل بہر حال بنتا تھا تاکہ کل وجود میں آسکے، یہی اس کے کارنامے کا خلاصہ ہے جو بہت بڑا ہے"۔(۳۹)اقبال اسلام کی حاکمیت پر یقین رکھتے ہیں لیکن فقہ کی حاکمیت پر یقین نہیں رکھتے او اجتہاد پر زور دیتے ہیں۔ان کا موقف ہے :

"چونکہ زمانہ بدل چکا ہے اور دنیائے اسلام ان نئی نئی قوتوں سے متاثر اور دو چار ہو رہی ہے جو فکرِ انسانی کی ہر سمت میں غیر معمولی نشوونما کے باعث پھیل رہی ہیں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مذاہبِ فقہ کی حاکمیت پر اصرار کرتے رہنا چاہیے۔ کیا ائمہ مذاہب نے کبھی بھی یہ دعویٰ کیا تھا کہ ان کے استدلال اور تعبیرات حرفِ آخر ہیں"۔(۴۰)

عورت کے ضمن میں اقبال ان حقوق پر زور دیتے ہیں جو اسلام نے یورپ سے پہلے عورت کو دیئے لیکن آزادی کے نام پر عورت کی بے راہ روی کی مخالفت کی ہے۔ اقبال قومی تعمیر میں عورت کے زبردست کردار کے قائل ہیں اور اسے بروئے کار لانا چاہتے ہیں لیکن مغرب کی تقلید کے باعث عورت کا استعمال اس کردار کے منافی ہے۔ اقبال علم و فن کی حمایت اور عریانی کی مخالفت کرتے ہیں۔ "جاوید نامہ" میں کھوٹے کو کھرے سے الگ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تقلیدِ مغرب کے باعث مشرق نے خود کو کھو دیا ہے۔ مشرق کو چاہیئے کہ مغرب کو تنقید کی نظر سے دیکھے۔ مغرب کی قوت چنگ و رباب کی وجہ سے نہیں اور نہ اس کا سبب دخترانِ بے حجاب کا رقص ہے۔ عورتوں کی ننگی پنڈلیوں، بالوں کی کٹائی اور لادینی کی بجائے مغرب کی قوت کا راز علم و فن میں ہے۔ اسی چراغ سے اس کی آگ روشن ہے۔ علم و فن کے لیے مغز چاہیئے نہ کہ مغربی لباس۔ نگاہ چاہیئے نہ کہ یہ ٹوپی یا وہ ٹوپی۔ علم و فن کے لیے طبع تیز بین اور فکر زود رس کی ضرورت ہے۔(۴۱) چنانچہ اقبال جدید کاری کے مخالف نہیں۔ علم و حکومت میں بھی ہم یورپ کے استاد تھے، آج مغرب کی شاگردی ضروری ہے، لیکن اقبال مغرب کاری کے خلاف ہیں اور مغربیت کے ان پہلوؤں کو زیرِ تنقید لاتے ہیں جو اسلام اور فطرت دونوں کے خلاف ہیں۔ ترقی یہ نہیں ہے کہ بیٹیاں بے پردہ ہو کر رقص کریں اور عورتوں کی پنڈلیاں بلکہ ٹانگیں اوپر تک ننگی کی جائیں اور اس ضمن میں سردی کی کاٹ کو بھی نظر انداز کر دیا جائے۔ راقم کو موسمِ سرما میں برطانوی خواتین کی پوری ٹانگیں ننگی دیکھ کر ان کی محرومی و مظلومی کا اندازہ ہوا۔(۴۲)

عورت کے تناظر میں نہ صرف مخالفوں نے بلکہ قدر دانوں نے بھی اقبال کو "قدامت پرست" ٹھہرالیا ہے۔ عزیز احمد رقم طراز ہیں :

> "آزادیِ نسواں کے مسئلے میں اقبال بڑی شدت سے قدامت پرستی اور روایت پرستی پر قائم ہیں۔ مسئلہ نسواں میں ان کی رائے کی قدامت بڑھتی ہی گئی۔ مرد اور عورت کے باہمی تعلق میں اقبالؒ نے عورت کو بالکل مرد کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ مرد کا جوہر تو خود بخود عیاں ہو جاتا ہے لیکن عورت کے جواہر کی نمود غیر کے ہاتھ میں ہے۔ اور آخری شعر (میں بھی مظلومی نسواں) میں جہاں اقبالؒ نے مسئلہ نسواں پر بحث کی ہے، وہاں اپنی شکست یا اپنی ضد کا اعتراف بھی کر لیا ہے"۔[۴۳]

عزیز احمد بہر حال "ترقی پسند" مصنف ہیں لیکن ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے جو "عروجِ اقبال" کے باعث مسلمہ اقبال شناس ہیں، یہ مناسب اور ضروری خیال کیا ہے کہ پروفیسر محمد انور صادق کے مضمون بعنوان "فکرِ اقبال میں عورت کا مقام" کی تلخیص "فروغِ اقبال" میں شامل کریں۔ اس تلخیص کا اختتام ان جملوں پر ہوا ہے۔ "مختصر یہ کہ اقبال "مظلومی نسواں" سے غمناک ہونے کے باوجود اس مسئلہ کو حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے، جس کا برملا اعتراف وہ یوں کرتے ہیں: میں بھی مظلومیِ نسواں سے ہوں غمناک بہت / نہیں ممکن مگر اس عقدہ مشکل کی کشود"۔[۴۴] پروفیسر محمد انور صادق کے اصل مضمون کی تان اس جملے پر ٹوٹی ہے کہ "فکرِ اقبال کا مرکز و محور فلسفہ خودی ہے جس میں ہمیں عورت کا وجود کہیں دکھائی نہیں دیتا"۔[۴۵] اس سے قبل یہی اعتراض سردار جعفری نے بھی کیا تھا۔[۴۶] اور اقبال پر لکھنے والے کئی دوسرے صاحبان نے بھی۔[۴۷]

چونکہ کانٹ ویل سمتھ، ایچ اے آرگب، عزیز احمد، علی سردار جعفری، راج بہادر گوڑ، محمد انور صادق اور دوسروں نے اقبال کی مختصر نظم "عورت" کے حوالے سے اقبال کو

بطورِخاص ہدفِ اعتراض بنایا ہے، اس لیے تیار حوالے کے طور پر اسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر — غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپِ غم کا یہی نکتہ شوق — آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود!
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرارِ حیات — گرم اسی آگ سے ہے معرکہ بود و نبود!
میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غمناک بہت — نہیں ممکن مگر اس عقدہ مشکل کی کشود!(۴۸)

بیشتر معترضین نظم کا مفہوم سمجھ نہیں پائے۔ اس نظم کا تعلق عورت کے اس جوہر سے ہے جو اسے خدا کے بعد بہترین خالق کا مقام عطا کرتا ہے لیکن بے منتِ غیر اس جوہر کی نمود ممکن نہیں۔(۴۹) سعید جعفری کے نزدیک اقبال کی "زندہ حقیقت" یہ ہے کہ عورت مرد کی دست نگر رہے، مرد اس کا محافظ رہے، عورت بچے پیدا کرے اور مرد "خودی" کے مسائل حل کیا کرے"۔(۵۰) تخلیقی عمل کا یہ استخفاف ناروا ہے اور معترض کا طنز محلِ نظر ہے۔ عورت کو بچوں کی پیدائش پر قدرت نے مامور کیا ہے نہ کہ اقبال نے اور مرد کو عورت کا محافظ بھی خدا نے بنایا ہے نہ کہ اقبال نے اور محافظت مثبت عمل ہے نہ کہ منفی۔ نیز بچے کے وجود میں انسانی عظمت مضمر ہوتی ہے۔ عورت جذبہ تخلیق سے عاری ہوتی تو معرکہ بود و نبود گرم نہ ہو سکتا لیکن تخلیقی عمل میں مظلومی کا ایک پہلو ہے جس کا کوئی حل نہیں ہے۔ عملِ پیدائش بسا اوقات بہت زیادہ تکلیف کا باعث بنتا ہے۔(۵۱) کہہ سکتے ہیں کہ اس کا حل سرجری کے ذریعے بچے کو ماں کے پیٹ سے نکالنا ہے۔ درست، مگر نو ماہ بچے کو پیٹ میں عورت ہی رکھتی ہے اور اپریشن بھی اسے کے پیٹ کا ہونا ہے۔ معترضین کا یہ کہنا کہ اقبال "مظلومی نسواں" کا حل تلاش کرنے میں ناکام رہے ناسمجھی کی بات ہے۔ مغربی اور مشرقی معترضین بتائیں کہ عورت کی اس مظلومی کا حل کیا ہے؟ جہاں تک "جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر" کا تعلق ہے، یہ قول دوسرے تناظرات میں درست نہیں ہے۔ یہ بات بھی اقبال کی مدد سے سمجھی جا سکتی تھی لیکن کسی نے اس کی زحمت نہیں کی۔ اقبال نے برملا کہا ہے:

"کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو اپنی ماں کی تربیت کے اثرات اپنی طبیعت میں نہ پاتا ہو یا بہنوں کی محبت اس کے دل پر اپنا نشان نہ چھوڑتی ہو۔ وہ خوش نصیب شوہر، جن کو نیک بیویاں ملی ہیں، خوب جانتے ہیں کہ عورت کی ذات مرد کی زندگی کے ارتقا میں کس حد تک اس کی ممد و معاون ہے"۔(۵۲)

الرِجال قوا مون علی النسآء کا صاف سیدھا مفہوم یہ ہے کہ مرد عورتوں کے محافظ ہیں۔ ابو الاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ " قوام یا قیم اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کو درست حالت میں چلانے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے اور اس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو"(۵۳)

گب کا یہ کہنا کہ اقبال نے " الرجال قوامون علی النساء" سے چشم پوشی کی ہے، ظاہر کرتا ہے کہ گب کے نزدیک یہ نکتہ قرآن اور اقبال کا کمزور پہلو ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ اقبال نے اس پر مکمل بحث کی ہے۔ اس آیت میں اللہ نے مرد کی فضیلت کا ذکر بھی کیا ہے اگرچہ ابو الاعلیٰ مودودی نے بھی جنہیں مستشرقین جیاد پرست کہتے ہیں۔ اس فضیلت کو فوقیت کے معنوں میں نہیں لیا۔(۵۴) مرد کی وہ خصوصیات اور قوتیں جو اس افضلیت کا باعث ہیں سمجھنے کے لیے صرف اس نکتے پر غور کافی ہے کہ امریکہ کی تاریخ میں کتنی عورتیں ملک کی سربراہی اور فوج کی جرنیلی پر فائز ہوئی ہیں۔ اسی آیت میں اچھی عورت کی اطاعت شعاری کا ذکر ہے۔ اس اطاعت شعاری میں معاملات کی درستگی اور خاندانی وحدت کا راز مضمر ہے۔ یہ نکتہ اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ برطانوی فوج میں ہر فوجی کے لیے لازمی ہے کہ اپنے افسر کا حکم مانے تاکہ ضبط و نظم قائم رہے اور اہداف حاصل ہو سکیں۔ اس کے بغیر انتشار کا راستہ روکنا ممکن نہیں۔ برطانوی فوجی اپنے افسر کا صحیح یا غلط ہر حکم مانتا ہے جبکہ اسلام میں بیوی خاوند کا صرف وہ حکم ماننے کی مکلف ہے جو خدا کے حکم کے منافی نہ ہو۔ تاہم برطانوی فوج میں یہ نظم و ضبط مساوات کے منافی نہیں۔اسی طرح بقول اقبال یہ آیت مرد و زن کی مساوات کے منافی نہیں ہے۔ اقبال کا اسلامی نقطہ نظر ان کے حسبِ ذیل بیان سے واضح ہے :

" الرجال قوامون علی النساء ۔ عربی محاورے کی رو سے اس کی یہ تفسیر صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ عربی گرامر کی رو سے قائم کا صلہ جب علیٰ پر آئے تو معنی محافظت کے ہو جاتے ہیں۔۔۔ عورت کے حیثیت عورت اور مرد کے حیثیت مرد، بعض خاص علیحدہ علیحدہ فرائض ہیں۔ ان فرائض میں اختلاف ہے، مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عورت ادنیٰ ہے اور مرد اعلیٰ۔ فرائض کا اختلاف اور وجوہ پر مبنی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تک مساوات کا تعلق ہے اسلام کے اندر مرد و زن میں کوئی فرق نہیں۔۔۔ اگر آپ ان حقوق پر نظر ڈالیں جو اسلام نے عورتوں کو دیئے ہیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اس مذہب نے عورت کو کسی طرح مرد سے ادنیٰ درجہ پر نہیں رکھا۔۔۔ سب سے اول اسلام ہی نے اس امر کا اعلان کیا کہ عورت اپنی علیحدہ جائیداد کا حق رکھتی ہے۔۔۔ غالباً ۱۸۷۵ء تک انگلستان میں عورت جائیداد کی مالک نہ تھی۔ اس کی جائیداد نکاح کے وقت خاوند کی جائیداد میں جذب ہو جاتی تھی۔۔۔ تعجب کی بات ہے کہ اولاد کی ولایت کا حق انگریز ماں کو اس وقت بھی نہیں۔ اسلام میں یہ حق ہمیشہ سے موجود ہے۔ ان تمام امور میں یورپین قومیں یا تو اسلام کا تتبع کر رہی ہیں یا خود فطرت نے اب انہیں اس طرف توجہ دلا دی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یورپ نے بھی وضعِ قانون کے معاملے میں اسلام سے بہت کچھ سیکھا ہے"۔(۵۵)

مستشرقین نے اقبال کی وفات کے بعد، عورت کے ضمن میں، ان پر جو اعتراضات کیے ان کا جواب وہ اپنی زندگی میں دے چکے تھے۔ سب سے زیادہ اعتراضات "محافظت" کے ضمن میں ہیں جسے " قید"۔ "محکومی" اور انہی جیسے دوسرے الفاظ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ مستشرقین کی یہ خواہش نظر آتی ہے کہ اقبال زیادہ نہیں تو کم از کم الرجال قوامون علی

النساء ہی سے اختلاف کرتے اور اسے ناقص ٹھہرا دیتے۔ لیکن اللہ کا قول ناقص کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ موقف محض ڈاگما نہیں بلکہ جدید مغرب کے تناظر میں، واجبی سوجھ بوجھ سے بھی کام لیا جائے تو اس کی صداقت واضح ہو جاتی ہے۔ اس پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ اسلام عورت کو بے حیائی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ چہرے کا پردہ ضروری ہے یا نہیں اس پر اختلاف ہے۔ اقبال اس پردے کے مشروط طور پر حامی ہیں۔(۵۶) مسلمان معاشرے میں عورت سے جو ناانصافی روا رکھی جاتی ہے اقبال اسے خلافِ اسلام سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف لڑتے ہیں۔(۵۷) تاہم عورتوں کو اسلامی تعلیمات پر کاربند رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور مبینہ "آزادی" کے فریب میں مبتلا ہونے سے روکتے ہیں۔(۵۸) حقیقت یہ ہے کہ معترضین خواہ وہ اشتراکی ہوں یا ہندو، مستشرقین ہوں یا مغربیت کے حامی مسلمان دانشور۔ اسلام اور اقبال کے جس پہلو کو وہ سب سے زیادہ کمزور سمجھتے ہیں وہی جدید مغرب کا سب سے کمزور پہلو ہے۔

مغرب کی لادینی نے عورت کو مرد کی محافظت سے آزاد کیا تو اس بے لگام آزادی نے عریانی، فحاشی اور جنسی بے راہ روی کے بند کھول دیئے جس نے مغرب میں خاندانی وحدت کی چولیں ہلا دیں اور اس سے اندوہناک مسائل پیدا ہوئے۔(۵۹) مسلح افواج میں ملازم خواتین کی یہ عام شکایت ہے کہ انہیں جنسی اعتبار سے ہراساں کیا جاتا ہے۔(۶۰) چارلس جے سائیکس (Charles J.Sykes) کی کتاب (A Nation of victims) کے چودھویں باب کا عنوان " جنسی بھیانک خواب" (The Sexual Nightmare) ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بقول " نیوز ویک" امریکہ میں عصمت دری (rape) مقبول تدبیر و ترکیب ہے"۔(۶۱) جہاں جنسی آزادی ہو اور خواتین کو رضامند کر کے جنسی تعلق قائم کرنے کا " انسانی" بمنزلہ حیوانی راستہ کھلا ہو وہاں انہیں زبردستی ذلیل کرنا حیرت ناک ہے۔ مذکورہ مصنف نے مذکورہ باب میں ایک الگ عنوان " تمدنِ زنا بالجبر" (The Rape culture) قائم کیا ہے جس کی تفصیلات عبرت انگیز ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ بقول ڈیانہ رسل (Diana Russel) ۵۴ فیصد عورتیں

اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے جنسی درندگی (rape) کا شکار ہو جاتی ہیں۔ امریکہ کے ایک قومی ادارے (National Victim Center) کے مرتب کردہ نتیجے کے مطابق ۱۹۹۰ء میں بالغ عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کی وارداتوں کی تعداد چھ لاکھ تراسی ہزار تھی۔[۶۲] مسلمان عورت کی عزت محافظت کی مرہونِ منت ہے جبکہ مغربی عورت اس محافظت سے محروم ہو کر ذلت سے دوچار ہے۔ اس ذلت کا اندازہ حسبِ ذیل جملے سے بآسانی کیا جا سکتا ہے :

> **Rape is seen as expression of Western civilization's fear and hostility toward woman- a product of phallocentric political, economic, and social forces that demand the submission and humiliation of woman.**[۶۳]

اسلام میں زنا کی روک تھام کے لیے سخت قوانین ہیں۔ مسلمان عورت کو مرد جو محافظت فراہم کرتا ہے اس کی حقیقت بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مسلمان معاشرے میں عورت کا محافظ باپ اور بھائی ہوتا ہے۔ شادی کے بعد اسے خاوند اور بعد میں بیٹے کی محافظت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ بات یہاں ہر کوئی جانتا ہے کہ باپ کو بیٹی، بھائی کو بہن، خاوند کو بیوی اور بیٹے کو ماں کی عزت و عصمت اپنی جان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اقبال کا یہ مصرع : نسوانیتِ زن کا محافظ ہے فقط مرد۔[۶۴] توجہ کا مستحق ہے۔ لادینی کے زیرِ اثر مغرب نے عورت کو غیر محفوظ اور بے سہارا کر دیا ہے۔ وہاں اب نسوانیتِ زن کا محافظ نہ باپ ہے نہ بھائی نہ خاوند نہ بیٹا۔ بلکہ حال یہ ہے کہ بیٹی کو بے آبرو (rape) باپ کرتا ہے۔[۶۵] بہن کو نشانہ ہوس بھائی بناتا ہے اور ماں کے ساتھ دست درازی اس کا بیٹا کرتا ہے۔ اس ضمن میں یہ تعین مشکل ہے کہ کب یہ وارداتیں باہمی رضامندی سے ہوتی ہیں، کب شراب نوشی کے نتیجے میں ہوتی ہیں اور کب زبردستی کی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن گھرانوں میں مذہب کا اثر باقی ہے وہ اس بے ہودگی سے بچتے ہوں گے لیکن جنسی اعتبار سے آزاد معاشرے کی وسعتوں

میں عورت اپنے محرم مردوں کی محافظت سے محروم ہو گئی ہے۔ اس تناظر میں ان معترضین کو اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھنا چاہیئے جو اقبال کو " قدامت پسندی" کا موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔

کانٹ ویل سمتھ نے اقبال کو " ترقی پسند" (progressive) بھی ٹھہرایا ہے اور "رجعت پسند" (reactionay) بھی۔ " قدامت پسند" اور "رجعت پسند" کا فرق بتاتے ہوئے وہ لکھتا ہے :

The conservative aims at preserving the past, the reactionary at reconstructing it.(۶۶)

برصغیر میں " رجعت پسند" کا لفظ اشتراکی حضرات بطور گالی استعمال کرتے رہے ہیں، جس طرح ان کے لیے "سرخ" کا لفظ بطور گالی استعمال ہوا ہے۔ ان اصطلاحوں کو ترک کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اقبال اصل اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ اسلام جس پر ملوکیت، پاپائیت اور جمودی تصوف کی چھاپ نہ ہو تاہم "رجعت" کے لفظ سے انہیں چڑ نہیں ہے : " رجعتے سوئے عرب می بایدت"۔(۶۷) اشتراکی بلکہ عیسائی اور ہندو بھی اسلام کو " فرسودہ" اس لیے کہتے ہیں کہ وہ قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتے۔ مانتے تو مسلمان ہوتے۔ انہیں اقبال کی اسلام اور ملتِ مسلمہ سے وابستگی پسند نہیں۔ اقبال اسلامی نشاۃ ثانیہ کی بات کرتے ہیں تو وہ " اصطلاحوں" کے تیر چلاتے ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں نے الگ مسلم ریاست کی بات کی تو جواہر لال نہرو نے اسے " رجعت پسندی" کہا۔(۶۸) جبکہ یہ پیش قدمی تھی۔ اشتراکیوں کی اس مخصوص اصطلاح کو نظر انداز کر دینا بہتر ہے۔ ستم ظریفی اور اشتراکیوں کے لیے مقامِ عبرت یہ ہے کہ جب وہ اس حکمتِ عملی سے اقبال شکنی میں کامیاب نہ ہو سکے تو اقبال کو " اشتراکی" ثابت کرنے پر زورِ قلم صرف کرنا شروع کر دیا۔ غلط بیانیوں کے اس نئے سلسلے کا جائزہ " کیا اقبال اشتراکی ہیں"؟ کے زیرِ عنوان لیا گیا ہے۔

اقبال کی زندگی ہی میں ان کی اسلام اور ملتِ مسلمہ سے وابستگی پر اعتراضات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ یہ اعتراضات ہندو، اشتراکی اور مستشرقین سبھی کر رہے تھے۔ تفصیل

پہلے باب میں بیان ہو چکی ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اقبال کسی کے جال میں نہیں پھنسے۔ اقبال جیسے مردِ یقین کو زیرِ دام لانے کی مساعی کو ناکام ہی ہونا تھا۔ اقبال نے مسلمان جدیدیوں کو بھی حقائق کا ادراک عطا کیا:

لادینی و لاطینی! کس پیچ میں الجھا تو — دارو ہے ضعیفوں کا لا غالب الاھو
صیادِ معانی کو یورپ سے ہے نومیدی — دلکش ہے فضا، لیکن بے نافہ تمام آہو! (۶۹)

اقبال اسلام کے جدید مفسر ہیں اور انکے نزدیک اسرارِ کتاب کا انکشاف مستقبل میں بھی جاری رہے گا۔ وہ زمانے کو قدیم و جدید میں تقسیم نہیں کرتے اور شرق و غرب دونوں پر نظر رکھتے ہیں اور دونوں کی شب کو سحر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ راسخ العقیدہ اور قدامت پسند بھی ہیں اور لبرل نیز جدیدیت پسند بھی۔ ڈاکٹر این مری شمل نے اپنی کتاب (Gabriel's Wing) میں اپنے مطالعے کا حاصل حسبِ ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے:

> **" ... in short, his work and personality contained all the divergent elements of conservatism and liberalism, of prophetical and mystical religious experience, of orthodoxy and heterodoxy".** (۷۰)

قدامت پسندی کے ساتھ وسیع النظری اور راسخ العقیدگی کے ساتھ آزاد خیالی کے تناظر میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ علامہ اقبال کا وجدان خانوں میں بٹا ہوا نہیں ہے اور بنیادی طور پر اسلامی ہے۔ تصوف بھی ان کے نزدیک وہی معتبر ہے جو شعورِ نبوت سے مستفید ہوا ہو۔ سمتھ نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اقبال روایتی اسلام کو رد کرتے ہیں اور بنیادی طور پر ایک نئے اسلام کو پیش کرتے ہیں۔ زیرِ نظر باب میں اس کا ذکر آچکا ہے۔ سمتھ کی تضاد بیانی اس کے ذہنی فتور کی غماز ہے۔ اقبال اسی اسلام کو پیش کرتے ہیں جو قرآن اور اسوہ رسولؐ پر مبنی ہے۔

حوالے اور حواشی

۱۔ اسرار خودی / کلیاتِ اقبال فارسی، صفحہ ۴۱۔ شعر کا ترجمہ ہے: سختیِ آئین کی شکایت نہ کر اور حدودِ مصطفیؐ سے باہر نہ جا۔

۲۔ رموز بے خودی / کلیاتِ اقبال فارسی، صفحہ ۱۲۴۔ شعر کا ترجمہ ہے: اسلاف کے راستے پر چل کہ اسی میں جمیعت ہے۔ تقلید کا مفہوم ضبطِ ملت ہے۔

۳۔ کلیاتِ اقبال اردو، صفحہ ۱۹۶

۴۔ دیکھیے۔ **Modern Islam in India** صفحات ۱۴۸ تا ۱۵۰

۵۔ **Islam in Modern History.** صفحہ ۶۹

۶۔ اسرار و رموز / کلیاتِ اقبال فارسی، صفحہ ۱۵۳، سمتھ اور گب نے ان اشعار کا انگریزی ترجمہ درج کیا ہے۔ اردو ترجمہ حسب ذیل ہے: "فاطمہؓ تسلیم و رضا کی کھیتی کا حاصل اور ماؤں کے لیے اسوہ کاملہ ہیں۔ نوری اور آتشی سب آپؑ کے فرمانبردار تھے۔ آپ نے اپنی رضا کو شوہر کی رضا میں گم کر دیا تھا۔ آپ نے صبر و رضا کی ادب گاہ میں پرورش پائی تھی۔ ہاتھ چکی پیتے اور لبوں پر قرآن کی تلاوت ہوتی"۔

۷۔ **Modern Trends in Islam** صفحہ ۱۰۳

۸۔ **Islam** صفحات ۱۵۸، ۱۵۹

۹۔ ڈاکٹر تحسین فراقی، "فلسفہ شاہین"۔ مشمولہ "نقدِ اقبال حیاتِ اقبال میں"۔ صفحہ ۲۳۵

۱۰۔ "آرٹ کے ترقی پسند نظریے"۔ حوالہ "عرفانِ اقبال"۔ صفحہ ۷۷

۱۱۔ اقبال، اجمالی تبصرہ، صفحہ ۳۶

۱۲۔۱۳ ترقی پسند ادب، صفحات ۱۴۴، ۱۲۵

۱۴۔ تنقید اور عملی تنقید، صفحہ ۱۶۶

۱۵۔ "سنبل و سلاسل" میں جوش کہتے ہیں: افکار کو جانتے ہیں کارِ ابلیس / اچھا اس مرتبے پہ فائز ہیں حضور! حوالہ "میزانِ اقبال"۔ صفحہ ۱۴۲

۱۶۔ "اقبال کی شاعری میں ترقی پسند اور رجعت پسند رجحانات"۔ مشمولہ "جاوید"۔ خاص نمبر صفحہ ۱۱

۱۷۔۱۸ "اقبال کا نظریہ ارتقاء"۔ مشمولہ "اقبال شناسی اور نیاز و نگار"۔ صفحات ۸۱۔۸۲، ۸۳

۱۹۔ اقبال پر ایک تنقیدی نظر، مشمولہ "عصری ادب"۔ جولائی ۱۹۹۰ء، صفحات ۳۳۔۳۴

۲۰۔ مقالاتِ شریف، صفحہ ۹۳

۲۱۔ دیکھیے۔ Modern Islam in India صفحہ ۳۴۸

۲۲۔ دیکھیے، "جدید اسلام میں 'لبرل ازم' کی تحریک اور اقبال مشمولہ" مئے لالہ نام"۔
" زندہ رود" میں ڈاکٹر جاوید اقبال نے لبرل ازم کو "وسیع النظری" کہا ہے۔ "گو اسلام کا جدید احیا "وہابیت" کے ہاتھوں وجود میں آیا لیکن ایک دو نسلوں کے بعد مسلمانوں میں وسیع النظری یا لبرل ازم کی تحریک عالم وجود میں آئی اور دنیائے اسلام میں کچھ ایسے مصلحین بھی پیدا ہوگئے جنھوں نے مغربی نظریات کو اسلامی رنگ دینا شروع کر دیا"۔ (صفحہ ۱۰۱) اقبال یقیناً وسیع النظر تھے۔ ان کی نظر مشرق و مغرب یا قدیم و جدید دونوں پر تھی تاہم " مغربی نظریات کو اسلامی رنگ دینا" اقبال کا مطمحِ نظر نہیں تھا:

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے — عشق کے درد مند کا طرزِ کلام اور ہے
طائرِ زیرِ دام کے نالے تو سن چکے ہو تم — یہ بھی سنو کہ نالہ طائرِ بام اور ہے
جذبِ حرم سے ہے فروغ انجمنِ حجاز کا — اس کا مقام اور ہے،اس کا نظام اور ہے

(طلبہ علی گڑھ کالج کے نام۔ بانگِ درا)

۲۳۔ Modern Islam in India صفحہ ۳۴۸

۲۴۔ حسبِ ذیل اقتباس سے اقبال کا موقف واضح ہے:

> " We heartily welcome the liberal movement in modern Islam, but it must also be admitted that the appearance of liberal ideas in Islam constitutes also the most critical moment in the history of Islam. Liberalism has a tendency to act as a force of disintegration,..."
>
> The Reconstruction of Riligious thought in Islam, p.129.

۲۵۔ ایم سعید شیخ (Iqbal as a modern interpreter of Islam) مشمولہ Studies in Iqbals thought and Art

۲۶۔ Modern Islam in India صفحہ ۱۰۴

۲۷۔ کلیاتِ اقبال اردو، صفحہ ۳۵۲۔ اسلامی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ مجاہدینِ اسلام اقبال کے اس موقف کی تصدیق و توثیق کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر چیچن جانبازوں کا دستورِ عمل دیکھا جا سکتا ہے۔

۲۸۔ دیکھیے: Modern Islam in India صفحہ ۳۶۷، حوالہ ۱۳

۲۹۔ کلیاتِ اقبال اردو، صفحہ ۴۸۸

۳۰۔ نذیر نیازی، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ۔ صفحہ ۲۵۷

۳۱۔ اکبر الہ آبادی کے اس شعر: حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا / پانی پینا پڑا ہے پائپ کا۔ پر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا تبصرہ دیکھیے (اکبر الہ آبادی: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، صفحات ۲۰۴۔۲۰۵) اور اس کے بعد اقبال کے اس شعر پر غور کیجیے:

ب آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا — منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

۳۲۔ دیکھیے، پہلا باب، عنوان "متفرق"۔

۳۳۔ موجِ کوثر، صفحہ ۳۳۶

۳۴۔ Modern Islam in India صفحہ ۱۰۹

۳۵۔ ڈاکٹر حسین محمد جعفری، عصری تقاضے اور خطباتِ اقبال مشمولہ " اقبال: فکر اسلامی کی تشکیلِ جدید"۔

۳۶۔ رحیم بخش شاہین، "اوراقِ گم گشتہ"، صفحات ۱۸۲۔۱۸۳

۳۷۔ دیکھیے، فکر روشن، صفحہ ۱۱، مندرجہ اقتباس کے لیے، صفحہ ۳۷

۳۸۔ کلیات اقبال فارسی، صفحہ ۷۶۶

۳۹۔ آل احمد سرور، دانش ور اقبال، (ترجمہ) صفحہ ۷۷

۴۰۔ سیّد نذیر نیازی، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، (ترجمہ) صفحات ۲۵۹۔۲۶۰

۴۱۔ دیکھیے، کلیات اقبال فارسی، صفحہ ۷۶۶

۴۲۔ نومبر ۱۹۹۶ء میں بی بی سی کے لیے میرا ایک انٹرویو ریکارڈ کر کے رضا علی عابدی مجھے رخصت کرنے میرے ساتھ نیچے آئے۔ سڑک تک جب باہر پہنچے تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ میں نے گرم پتلون کے ساتھ ایک موٹا سویٹر پہنا ہوا تھا۔ عابدی نے کہا " اوپر کوٹ بھی پہننا تھا"۔ میں اکثر سویٹر کے اوپر کوٹ بھی پہنتا تھا۔ یہ واقعہ اس لیے لکھا ہے کہ اس روز بھی، حسب معمول ایسی خواتین نظر آئیں جن کی ٹانگیں کسی بھی قسم کے لباس سے عاری تھیں۔

۴۳۔ اقبال نئی تشکیل، صفحات ۳۴۵ تا ۳۵۵

۴۴۔ فروغِ اقبال، صفحات ۴۴۲ تا ۴۴۵

۴۵۔ اقبال، اپریل ۱۹۸۹ء، صفحہ ۹۸

۴۶۔ آل احمد سرور، اقبال اور مغرب، صفحہ ۱۸۸

۴۷۔ سعید جعفری، "اقبال کی نگاہ میں عورت کی حیثیت" مشمولہ "اقبالیات کے نقوش"۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے غالباً معیاری نقش سمجھ کر یہ مضمون اپنے مرتب کردہ مجموعے میں شامل کیا۔

۴۸۔ کلیاتِ اقبال، اردو، صفحہ ۵۵۹

۴۹۔ سردار جعفری نے ایک سیمینار میں اقبال کا مصرع یوں پڑھا: "مرد کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود" (اقبال اور مغرب، صفحہ ۱۸۸) بات یہی ہے لیکن اقبال نے "مرد" کی جگہ "غیر" کا لفظ لکھا ہے۔ شعری حسن بشمول تہ داری کی خاطر۔ عورت کا خاص جوہر، جوہر تخلیق ہے۔ عورت کا پورا وجود اس کا گواہ ہے۔ اس جوہر کی نمود مرد کے باعث ہے۔ عزیز احمد نے جوہر کو "جواہر" بنا کر خلطِ مبحث پیدا کیا ہے۔ جہاں تک جوہر مرد کا تعلق ہے تو اس مقام پر اس سے مراد کلیتاً خودی نہیں ہے۔ خودی کے خواصِ استحکام اور مراحلِ ترتیب سے مرد اور عورت دونوں وابستہ ہیں۔

۵۰۔ اقبالیات کے نقوش، صفحہ ۲۲۲

۵۱۔ اقبال نے ذوالفقار علی خان کی موٹر کار کی خاموشی سے یہ فلسفیانہ نکتہ نکالا تھا کہ "ہے جادہ حیات میں ہر تیز پا خموش"۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اپنی اولاد کی پیدائش کے اوقات و مشاہدات ان کی کارگہ فکر کو متحرک نہ کرتے۔ سردار بیگم شادی کے گیارہ برس بعد لذتِ تخلیق سے بہرہ یاب ہوئیں۔ انہی دنوں ممتاز بیگم "مظلومیِ نسواں" کی اندوہناک تصویر بن گئیں۔ شیخ عطا محمد کے نام اپنے خط مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں اقبال لکھتے ہیں: "مرحومہ کی موت کا منظر نہایت درد انگیز تھا۔ خدا تعالیٰ اس کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ بہترین ڈاکٹروں کا علاج تھا جو دن میں تین دفعہ اور اگر ضرورت ہو تو اس سے زیادہ دفعہ آتے تھے اور بعض دفعہ رات بھر یہیں رہتے تھے۔۔۔ نمونیہ نے اسے سخت کمزور کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ ڈلیوری کی زحمت وہ برداشت کرنے کے ناقابل تھی۔ آخر میں نے ڈاکٹروں سے کہا کہ وہ جہاں تک ممکن ہو اس کی جان بچانے کی کوشش کریں اور بچہ کا خیال نہ کریں۔ چنانچہ یہی تجویز قرار پائی۔ بچے کو رحم سے نکالنے کے لیے آلات کا استعمال شروع ہی ہوا تھا کہ اس نے جان دے دی۔ مرنے سے قریباً دو گھنٹے پہلے تمام دردِ زہ بند ہو گیا تھا اور یہی علامت بڑی خراب تھی۔ غرض کہ درد کی حالت میں اس کی حالت بے چارگی اور بے کسی کی تھی کہ میرے لیے اس کے چہرے کی طرف نگاہ کرنا بھی مشکل تھا اور میرا قلب سخت رقیق ہو گیا۔ ایک معمولی انسان کو دنیا میں لانے کے لیے جو پچاس ساٹھ سال سے زیادہ اس دارِ فانی میں نہیں ٹھہرتا نیچر اس قدر تکلیف ایک ضعیف عورت کو دیتی ہے"۔ (کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد دوم، صفحات ۵۵۶۔ ۵۵۷)۔

۵۲۔ محمد رفیق افضل، گفتارِ اقبال، صفحہ ۷۵

۵۳۔ سیّد مودودی، تفہیم القرآن، جلد اوّل، صفحہ ۳۴۹

۵۴۔ سیّد مودودی نے لکھا ہے کہ " یہاں فضیلت بمعنی شرف اور کرامت اور عزت نہیں ہے، جیسا کہ عام اردو خواں آدمی اس لفظ کا مطلب لے گا، بلکہ یہاں یہ لفظ اس معنی میں ہے کہ ان میں سے ایک صنف (یعنی مرد) کو اللہ نے طبعاً بعض ایسی خصوصیات اور قوتیں عطا کی ہیں جو دوسری صنف (یعنی عورت) کو نہیں دیں یا اس سے کم دی ہیں۔ اس بناء پر خاندانی نظام میں مرد ہی قوام ہونے کی اہلیت رکھتا ہے اور عورت فطرۃً ایسی بنائی گئی ہے کہ اسے خاندانی زندگی میں مرد کی حفاظت و خبرگیری کے تحت رہنا چاہیئے"۔ (تفہیم القرآن۔ جلد اوّل۔ صفحہ ۳۴۹) اسی تناظر "جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر" کا مفہوم متعین ہو سکتا ہے۔

۵۵۔ گفتارِ اقبال، صفحات ۷۶۔۷۷

۵۶۔ اقبال نے "انجمنِ خواتینِ اسلام، مدراس" سے خطاب کے دوران کہا کہ " پردہ کے متعلق اسلام کے احکام صاف اور واضح ہیں۔ 'غضِ بصر' کا حکم ہے اور وہ اس لیے کہ زندگی میں ایسے وقت بھی آتے ہیں جب عورت کو غیر محرم کے سامنے ہونا پڑتا ہے۔ خاص اس وقت کے لیے یہ حکم ہے، دیگر حالات کے لیے اور احکام ہیں۔ پردے کے سلسلے میں اسلام کا عام حکم عورت کو یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کرے" (گفتار اقبال، صفحہ ۹۷) ایک اور مضمون میں جو گول میز کانفرنس کے سلسلے میں قیامِ لندن کے دوران اقبال نے شائع کرایا تھا، اپنے موقف کا اظہار اس طرح کیا ہے: " یورپ میں عورت اپنے بلند مقام سے گر گئی ہے اور اس کی ذمہ دار وہ خود ہے۔ وہ آزادی اور مساواتِ حقوق چاہتی ہے، جس کا مفہوم وہ خود نہیں سمجھتی۔ قرآن میں خلوت و حجابِ نسوانی کے بارے میں کئی ایک قوانین پیش کیے گئے ہیں، پردہ ان میں سے ایک ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور قانون بھی ہے جس کی رو سے عورتیں اور مرد ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں اور ہم کلام ہو سکتے ہیں، مگر وہ بے تکلف ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے کے مجاز نہیں۔ انھیں تلقین کی گئی ہے کہ ایسے موقع پر اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اگر یہ دستورِ عمل عالمگیر ہو جائے تو پھر نقاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہندوستان کے دیہات اور دیگر اسلامی ممالک میں اکثر مسلمان عورتیں نقاب نہیں اوڑھتیں۔ پردہ دراصل مخصوص نفسی رویہ کی مادی صورت ہے جس کی ضرورت ہر ملک کے عام حالات اور رفتارِ زمانہ پر منحصر ہے۔ (اقبال ریویو، حیدرآباد۔ اپریل ۱۹۹۳ء، صفحات ۸۱۔۸۲)

۵۷۔ انجمن خواتینِ مدراس سے خطاب کے دوران اقبال نے کہا: "آپ کو اپنے حقوق پر شدت کے ساتھ اصرار کرنا چاہئے۔ جہاں تک شریعتِ اسلامی کا تعلق ہے۔ مسلمان عورتیں یہ شکایت نہیں کر سکتیں کہ انھیں شریعت نے حقوق نہیں دیئے یا وہ حقوق ایسے ہیں جن سے انھیں مردوں کے ساتھ مساوات کا درجہ حاصل نہیں۔ وہ حق، جس کا عورت انصاف و عقل کے ساتھ بھی مطالبہ کر سکتی ہے، وہ قرآنِ پاک نے دے دیا ہے۔ اگر آپ اس سے جاہل و غافل رہیں یا اس سے فائدہ نہ اٹھائیں یا اس کے حاصل کرنے پر اصرار نہ کریں، بوقتِ ضرورت قانونی چارہ جوئی نہ کریں تو یہ قرآن یا شریعتِ اسلام کا قصور نہیں۔۔۔ پنجاب میں تو اچھی اچھی عدالتوں میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم رواج کے پابند ہیں، شریعت کے پابند نہیں۔ محض اس لیے کہ بیٹیوں کو جائیداد سے حصہ نہ دینا پڑے۔ ہم کو کوشش کرنی چاہئے کہ ہم رواج کی قیود سے آزادی حاصل کریں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مجھے قانون پیشہ ہونے کی وجہ سے کئی بار عدالتوں میں لڑکیوں کے حقوق کے لیے لڑنا پڑا ہے، اور کئی دفعہ یہ خدمت میں نے بغیر فیس کے انجام دی ہے"۔ (گفتارِ اقبال، صفحات ۸۱۔۸۴)۔

۵۸۔ اسی مذکورہ خطاب کے دوران اقبال نے کہا: "آپ نے اپنے لیے ایڈریس میں 'اسیرانِ قفس' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان سے مجھے مغربی عورتوں کی اس تحریک کا خیال ہوا جسے ترکی میں یا اور جگہ یورپ میں اِمنسی پیشن(emancipation) (مردوں کے غلبے سے آزادی) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جن باتوں کو لفظ قیود سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ اپنی اصل میں قیود ہیں یا نہیں۔ اگر مصطفےٰ کمال کے خیال کے مطابق یہ قیود اٹھا بھی دی گئیں تو آخر نتیجہ کیا دیکھنے میں آرہا ہے۔ ابھی چند دن ہوئے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حکومتِ ترکیہ کو معلوم ہوا ہے کہ عورتوں میں خودکشی کے واقعات بہت بڑھ رہے ہیں۔ عورت خود زندگی کا سرچشمہ ہے۔ اگر عورت ہی زندگی سے بیزار ہو جائے تو پھر زندگی کے آگے بڑھنے کے کیا امکان باقی رہ گئے۔ اس معاملہ کی تحقیق کے لیے ترکی نے کمیشن بٹھایا۔ پھر اپنے علماء کو جو اس قدر موردِ عتاب تھے، بلا کر کہا کہ اپنے وعظوں کے ذریعہ عورتوں کو سمجھائیں کہ اسلام میں خودکشی گناہ ہے۔ یہ نتیجہ ہوا اِمنسی پیشن کا ترکی میں! میں حیران ہوتا ہوں کہ جب عورتوں نے تمام ان باتوں سے، جن کو وہ قیود کہتی تھیں، آزادی حاصل کر لی تو پھر خودکشی پر کیوں آمادہ ہوئیں۔ انگلستان میں بیشتر عورتوں کا طلاق کے لیے عدالتوں میں جانا اور ترکی میں خودکشی کی وارداتوں کا ہونا ایسے دو اہم واقعات ہیں کہ ہمیں ان کی علتوں پر گہری نظر سے غور کرنا ہوگا۔ یہ مشکل مسئلہ ہے اور بغیر انسانی فطرت کے گہرے اور صحیح مطالعے کے اس کے حل پر پہنچنے کی امید کرنا مشکل ہے"۔

(گفتارِ اقبال، صفحات ۷۸۔۷۹)

حواشی ۵۷ اور ۵۸ کی روشنی میں عزیز احمد کا یہ انداز بیان کہ "مرد اور عورت کے باہمی تعلق میں اقبالؒ نے عورت کو بالکل مرد کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے، محلِ نظر ہے۔ میاں محمدؐ شریف کی یہ رائے پر بھی غلط ہے کہ اقبال نے اس مسئلے پر کماحقہ غور نہیں کیا۔ البتہ انہوں نے یہ درست لکھا ہے کہ اقبال کو یہ تردّد رہا کہ عورتوں کو مغربی طرزِ زندگی کی برائیوں سے بچایا جائے۔ اسی لیے اس موضوع پر اقبال نے متعدد نظمیں لکھیں۔

۵۹۔ مغرب میں ایسے بچے جو والدہ یا والد یا دونوں کی محافظت و پرورش سے محروم ہیں خود مغرب کے اہلِ دانش کے لیے لمحہ فکریہ ہیں۔ میرے قیامِ انگلستان کے دوران اکتوبر ۱۹۹۶ء کے اواخر یا نومبر کے اوائل میں بی بی سی نے ان بچوں کے بارے میں ایک رپورٹ نشر کی جو والدین کی تربیت سے محروم ہیں اور حفاظت گاہوں میں پل رہے ہیں۔ ان بچوں کے ساتھ ان حفاظت گاہوں میں جنسی زیادتی ہوتی ہے چنانچہ وہاں سے بچوں کے بھاگ جانے کا رجحان عام ہے۔ بچہ سڑک پر کھڑے ہو کر ہر اس شخص کے ساتھ جانے کو تیار ہوتا ہے جو کار روک کر اسے بٹھا لے اور جنسی تسکین حاصل کر کے اسے کچھ پونڈ دے دے۔ ایک لڑکے کو ٹی وی پر دکھایا گیا جس نے بتایا کہ میں نے اس طرح اب تک ساٹھ پونڈ کما لیے ہیں۔

۶۰۔ اس ضمن میں ایک رپورٹ "وائس آف امریکہ" نے ۲۰۰۰ء کے اوائل میں نشر کی۔

۶۱تا۶۳ A nation of victims: The Decay of the American character صفحات ۱۷۷۔۱۸۶

۶۴۔ کلیاتِ اقبال اردو، صفحہ ۵۵۸

۶۵۔ کلیاتِ اقبال فارسی، صفحہ ۳۸

۶۶۔ Modern Islam in India صفحہ ۳۴۹

۶۷۔ کلیاتِ اقبال فارسی، صفحہ ۳۸

۶۸۔ پنڈت جواہر لال نہرو، "کانگرس اور مسلمان" مشمولہ مضامینِ نہرو۔ صفحہ ۱۳۴

۶۹۔ کلیاتِ اقبال اردو، صفحہ ۶۳۴

۷۰۔ Gabriel's Wing صفحہ ۳۸۶